© rasailojaraid.com

ہارون ناصر

نفاذ شریعت اور مذہبی اقلیتیں

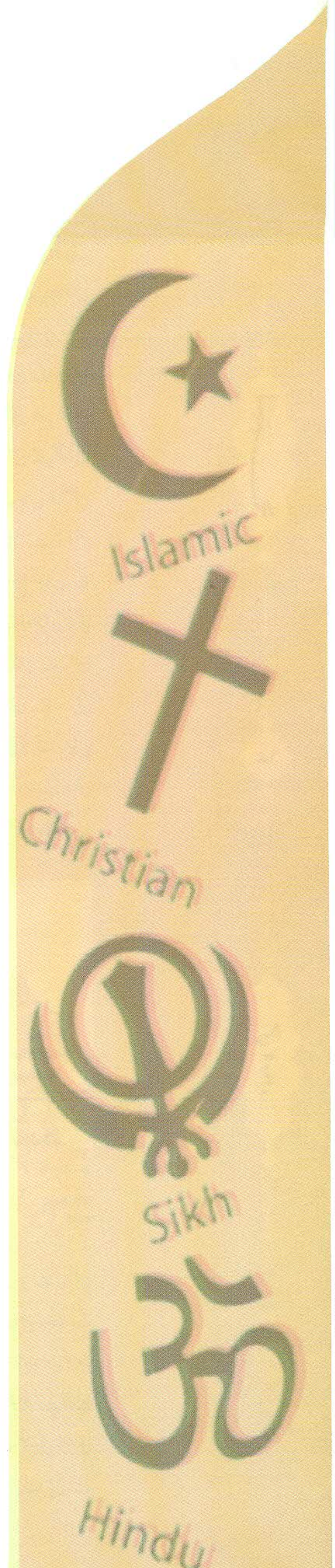

قیام پاکستان کے بعد ابتداء میں ہی قائداعظم محمد علی جناح کی وفات سے نومولود ریاست کو اور خاص طور پر مذہبی اقلیتوں کو خاصا نقصان اُٹھانا پڑا۔ کیونکہ ابھی نئی ریاست کے خدوخال نمایاں بھی نہ ہو پائے تھے کہ اس کے معمار کی رخصتی سے مستقبل کی راہیں دھندلا گئیں۔ پاکستان کی نظریاتی شناخت کے بارے میں مختلف راہنما اپنی اپنی رائے کا اظہار مختلف انداز میں کرتے رہے۔ اس سارے عمل میں پاکستان کے مغربی اور مشرقی حصوں کی تفریق بھی نمایاں رہی جو کہ آگے چل کر تلخی کے ساتھ دو ملکوں میں بٹ گیا۔ سیاسی راہنماؤں کے علاوہ ملک کے بیوروکریٹ بھی تذبذب کا شکار رہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان میں داخل ہوئی۔ پاکستانی سیاستدانوں اور افسر شاہی کو آبادکاری کا تجربہ نہ تھا اور ہندوستان سے ہجرت کرنے والے مہاجر خاندانوں کے لئے اقدامات نے حکومت کی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔ جس سے ملک کی دیگر بنیادی ذمہ داریوں کے علاوہ، آئین سازی جیسی اہم ذمہ داری بھی نظرانداز ہوئی۔ آئین سازی کے ذمہ داران، آئین بنانے کے علاوہ دیگر ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگ گئے لیکن آئین سازی کا اہم کام آنے والے دنوں کے لئے چھوڑ دیا۔ ریاست کی بیشتر ذمہ داریاں قائداعظم نبھا رہے تھے۔ وزراء کے ساتھ ساتھ ملک کے دیگر سیاسی راہنما اور کلیدی عہدوں پر فائز افسران اپنے کئی اہم مسائل پر قائد کی راہنمائی کے لئے اُن کی رائے لینا ضروری سمجھتے تھے۔ جس کی وجہ سے قائد کی مصروفیات میں اضافہ اور صحت دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔ جب کہ تقسیم کی مخالفت کرنے والے افراد، پاکستان منتقل ہونے کے بعد اپنی لابی کو مضبوط کرنے کے لئے سرگرم ہوتے گئے۔ جنہوں نے پاکستان کو قائداعظم کے خواب کے مطابق، ایک فلاحی مملکت بننے نہ دیا۔

قائداعظم کی وفات کے بعد ملک کے اسلامی یا سیکولر ہونے کی ایک نہ ختم ہونے والی بحث نے ملک کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنا دیا۔ اسی طرح کے بحث و مباحثہ میں قائداعظم کی 11 اگست 1947 کی مشہور تقریر کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے کہ ملک کی شناخت ایک عوام دوست ریاست کی ہوگی۔ اور یہ حوالہ کسی بھی طرح سے کم اہمیت کا حامل نہیں ہے کیونکہ اول تو اس تقریر میں آئین کے معماروں کو مخاطب کیا گیا تھا۔ دوسرے یہ پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کی کارروائی تھی۔ اس میں کہی گئی کوئی بھی بات قانون کا درجہ رکھتی تھی کیونکہ ساری دُنیا نے پاکستان کے مستقبل کے خدوخال کا جائزہ ابتدائی چند اجلاس کی کارروائی کی روشنی ہی میں لینا تھا۔ اور یہ مفروضہ بھی پوری دُنیا میں گردش کر رہا تھا کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک کی بجائے ایک مذہبی ریاست ہوگا۔ جس کا جواب قائداعظم نے کئی مرتبہ عالمی پریس کے سامنے دیتے ہوئے یہ کہا:

پاکستان ایک مذہبی ریاست نہیں بلکہ ایک ایسی فلاحی ریاست ہوگی جس کی بنیادیں جمہوریت اور اجتماعت پر استوار ہوں گی اور مذہب ہر کسی کا ذاتی معاملہ ہوگا۔

دوسری طرف قائد کا دستور ساز اسمبلی سے خطاب بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جسے مذہبی اقلیتیں اپنا میگنا کارٹا Magna Carta قرار [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

.... آپ آزاد ہیں، آپ کو اپنے مندروں میں جانے کی آزادی ہے۔ مملکتِ پاکستان میں آپ کو اپنی مسجدوں میں یا دیگر عبادت گاہوں میں جانے کی آزادی ہے۔ آپ کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدہ سے ہو اس کا ریاستی امور کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم اس آدرش کو اپنے سامنے رکھیں تو وقت کے ساتھ ساتھ ہندو، ہندو نہیں اور مسلمان، مسلمان نہیں رہیں گے۔ میں مذہبی معنوں میں نہیں کہہ رہا، کیونکہ مذہب تو ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں نے یہ بات سیاسی معنوں میں کہی ہے اور ریاست کے شہریوں کے حوالے سے کہی ہے۔

قائداعظم کی وفات کے بعد وزیراعظم لیاقت علی خان کو اکیلے اپوزیشن کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کے نتیجے میں 1949ء میں قانون ساز اسمبلی نے قراردادِ مقاصد کو آئین کے متبادل کے طور پر اس شرط پر قبول کیا کہ یہ قراداد مستقبل کی آئین سازی میں راہنما دستاویز ہوگی۔ ہونا تو یوں چاہیے تھا کہ پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان، اسمبلی سے پاکستان کا پہلا آئین بنوانے کے لئے تگ و دو کرتے تا کہ ملک و قوم کو ایک واضح راہ ملتی لیکن قراردادِ مقاصد کو زادِ راہ کی طرح محض راہنمائی کے لئے پیش کر کے مخالفین کو خاموش کروا دیا گیا۔ اگر ابتدائی دنوں کو دیکھا جائے تو کئی ایسے فیصلے سامنے آتے ہیں جن کی روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ غیر مسلموں کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا گیا ہے۔ لیاقت علی خان نے جب پاکستان کے پرچم کو متعارف کروایا تو انہوں نے بطورِ خاص یہ کہا کہ: پاکستان کے پرچم کو ہم محض پرچم نہ سمجھیں بلکہ یہ پاکستان کا صحیح معنوں میں عکاس ہے۔ سبز رنگ مسلم آبادی کو جب کہ سفید رنگ غیر مسلموں کی نشاندہی کرتا ہے۔ چونکہ [اُس وقت] وطن عزیز میں غیر مسلموں کی تعداد تقریباً 29 فی صد ہے اس لئے پرچم کا سفید حصہ 30% پر مشتمل ہے۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح سے نہ صرف پہلی دستور ساز اسمبلی میں غیر مسلموں کی عزت بخشی گئی بلکہ پرچم میں بھی غیر مسلموں کو نمائندگی کا حق دیا گیا۔ اس کی وجہ کچھ یوں ہے کہ تحریکِ پاکستان میں غیر مسلموں کا بھی اہم کردار رہا ہے۔ لیکن بعد ازاں اسلامی طرزِ حکومت کی بحث میں غیر مسلم کہیں کھو کر رہ گئے۔ شاید بعض لوگوں کے نزدیک ایک مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے کردار کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی جس وجہ سے انہیں کوئی خاص کردار ادا کرنے کے لئے بھی نہیں دیا جاتا۔ لہٰذا پاکستان کو اسلامی بنانے کے عمل میں مذہبی اقلیتوں کو بُرے طریقہ سے نظر انداز کیا گیا۔ موجودہ حالات کا رونا رونے کی بجائے اگر ہم تاریخ کے اوراق میں سے ایک اہم واقعہ دیکھیں جو شاید بہت کم غیر مسلموں کو یاد ہوگا، جو کسی بھی اعتبار سے یہ کم اہم نہیں ہے، لیکن موجودہ دور میں کہیں کھو کر رہ گیا ہے۔ یہ واقعہ پنجاب کی تقسیم کے حوالے سے ہے، جب 23 جون 1947ء کو

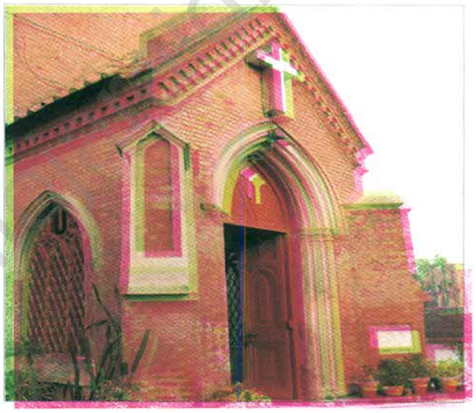

جب پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ کرنے کے لئے متحدہ پنجاب اسمبلی کا اجلاس دیوان بہادر ایس پی سنگھا (آخری سپیکر متحدہ پنجاب اسمبلی) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس سے قبل 21 جون 1947ء کو ایس پی سنگھا کے گھر منعقد ہونے والی میٹنگ میں کیئے گئے وعدہ کے مطابق پنجاب اسمبلی کے مسیحی ارکان متحدہ پنجاب اسمبلی نے اپنے ووٹ پاکستان کے حق میں دیئے۔

[23 جون 1947ء کو] مسیحیوں کے ووٹوں کی اکثریت سے پاکستان کے سب سے زیادہ آبادی والے صوبے پنجاب کو پاکستان میں شامل کروایا گرنہ، یونینسٹ پارٹی اور مسلم لیگ کے عددی تناسب سے 88 اور 86 نشستیں تھیں۔ جب کہ مسیحیوں کے دو ووٹوں سے مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے ووٹ برابر کر دیئے۔ اس موقع پر [مسیحی] سپیکر جناب دیوان بہادر ایس پی سنگھا کے ووٹ نے کلیدی رول ادا کیا اور یوں 88 کے مقابلہ میں 89 ووٹوں کے ساتھ [مغربی] پنجاب کو پاکستان میں شامل کروانے میں کامیاب ہوگئی۔ (فادر ندیم فرانسس، یہ دیس ہمارا ہے۔ ہم آہنگ پبلیکیشنز، سینٹ میریز چرچ، T-7، گلبرگ II، لاہور، پاکستان، ستمبر 1997ء صفحہ 142۔) ہم جانتے ہیں کہ تاریخ کو یاد رکھنے کے لئے ہر ملک میں اہم دنوں کی یاد منائی جاتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس اہم واقعہ کو پاکستان میں کتنے لوگ جانتے ہیں اور کتنے سیاسی یا غیر سیاسی لوگوں نے کسی قومی دن پر اس واقعہ کی کامیابی کے لئے مسیحی برادری کا شکریہ ادا کیا ہو۔ ایسے حالات میں جب تاریخ میں سے ایسے چند لیکن اہم واقعات کو نظر انداز کیا جائے گا تو یقینی طور پر اکثریتی آبادی یعنی مسلمان اپنے آپ کو پاکستان کی آزادی کی جدوجہد میں اکیلا ہی پائیں گے اور پھر وہ کیوں کسی اور کو کوئی حق دیں؟

ابتدائی دنوں کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی اقلیتوں کو پاکستان پر ایک بوجھ سمجھا گیا اور انہیں کئی ایک اہم موقعوں پر نظر انداز کیا گیا۔ حالانکہ پہلے یہ عالم تھا کہ قائداعظم نے پہلی قانون ساز اسمبلی کے صدر کے لئے ایک ہندو جوگندر ناتھ منڈل کو نامزد کیا۔ پہلے وزیر قانون، سر ظفر اللہ، اور اس کے علاوہ اور بھی کئی غیر مسلم اہم عہدوں پر فائز کیئے گئے جنہوں نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ یہ حالات قائداعظم کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ 1949ء کے بعد پاکستان کی اولین اسمبلی کی صدارت کرنے والے ہندو کو نامعلوم وجوہات کی بنا پر پاکستان چھوڑ کر ہندوستان جانا پڑا، اور زندگی کی باقی ماندہ سانسیں گم نامی میں بسر کیں۔ سر ظفر اللہ کو قادیانی ہونے کی وجہ سے ملک چھوڑ کر اغیار کے پاس پناہ لینی پڑی۔ مسلم دُنیا کے پہلے نوبل انعام یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام بھی امریکہ میں پناہ ڈھونڈنے کے لئے دربدر ہوئے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے کئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامور اور غیر معروف غیر مسلم مادرِ وطن کو خیر آباد کہہ کر، اپنی وفاداریاں، اپنی قابلیت اور اپنا سب کچھ اغیار کے حوالے کر چکے ہیں اور کئی ایک اسی صف میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں (یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ملکی حالات کے پیشِ نظر اب ہجرت کرنے کے لئے صرف غیر مسلم ہی نہیں بلکہ کئی ایک مسلم دوست بھی ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہیں اور کسی بھی مغربی ملک کے ویزہ کے لئے اپنا سب کچھ لُٹانے کے لئے تیار ہیں)۔

پاکستان میں اسلامی نظام کو متعارف کروانے کی ابتدا قراردادِ مقاصد سے ہوئی۔ قراردادِ مقاصد میں اس بات کا اظہار ملتا ہے کہ ریاست میں مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارنے کی بھرپور کوششیں کیں جائیں گی۔ اس قرارداد میں جمہوریت کے بنیادی اصولوں، آزادی، برابری، رواداری، سماجی انصاف کو فروغ دیا جائے گا اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا بھرپور تحفظ بھی کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور اہم نقطہ بھی متعارف کروایا گیا کہ پاکستان میں موجود قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق نافذ کیا جائے گا، اور اس مقصد کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کو مخصوص ہدف دیا گیا۔ گو وطنِ عزیز کا پہلا مجوزہ آئین 1956ء کی اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ لیکن جس آئین کو بنانے میں تقریباً نو سال لگ گئے اُسے 7 اکتوبر 1958ء کو فیلڈ مارشل ایوب خان نے معطل کر کے 1962ء میں دوسرا آئین متعارف کروایا۔ اس کے بعد 1973ء کے آئین کو ملک کی بیشتر سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا مشترکہ آئین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ چونکہ اس میں تمام صوبوں اور تمام مسالک کے راہنماؤں سے مشاورت کی گئی تھی لہٰذا اس سے اختلاف کرنے کی گنجائش قدرے کم ہے۔ اس لئے 1973ء کے آئین کو عوامی امنگوں کا آئین بھی کہا جاسکتا ہے اور اس آئین میں قراردادِ مقاصد کو تمہید میں شامل کیا گیا ہے۔

اس مقالہ کا مقصد غیر مسلموں کا اسلامی نظام کے نفاذ سے متعلق تشویش کو واضح کرنا ہے۔ اگر ہم اسلامی نظام کی رو سے کی گئی قانون سازی اور چند واقعات کا جائزہ لیں تو غیر مسلموں کی تشویش کی وجوہات سمجھ میں آجائیں گی۔ اب تک اسلام کے نام پر ہونے والے چند بڑے واقعات جن سے مذہبی امتیاز اور مذہبی بالادستی ظاہر ہوتی ہے، اُن میں نمایاں طور پر جُداگانہ انتخابی نظام (جسے بعد ازاں تبدیل کر دیا گیا ہے)، مسیحی مشنری اور دیگر سکولوں/ کالجوں کو حکومت کی طرف سے قومیانے اور حاضر سٹاف کو دور دراز کے سکولوں/ کالجوں میں تبادلہ، اسلامیات بطور لازمی مضمون، غیر مسلموں کے علاوہ سُنی اور شیعہ کے لئے علیحدہ نصاب، غیر مسلمانوں کے لئے شراب پر پابندی نہ عائد کرنا، حدود آرڈیننس کا غیر مسلموں پر اطلاق کرنا، توہینِ رسالت کے [illegible]

شہادت میں غیر مسلموں کی گواہی اور مذہبی تعصب کو ایسے تمام مختلف قوانین کے ذریعے سے غیر مسلموں کو اس میں ملوث کرنے سے نہ صرف معاشرے میں مذہبی امتیاز قائم ہو رہا ہے بلکہ عوام کے درمیان ہم آہنگی اور بھائی چارے کی فضا بھی متاثر ہو رہی ہے۔

ان واقعات کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے پڑوسی ملک میں جب سے طالبان نے اسلام کی تبلیغ شروع کی، جس میں سختی نمایاں تھی، پاکستان میں بھی اُسی طرز کی شریعت کو پھیلانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ جس کی مثال فرقہ واریت، قتل و غارت، ایک دوسرے (مسلمانوں) کو کافر قرار دینا، مسجدوں پر حملوں جیسے واقعات شامل ہیں، جس کی نذر کئی جید علماء اور بے شمار عبادت گذار مسلمان ہو گئے۔ جس سے نہ صرف اسلامی اخوت کا نقصان ہوا بلکہ دُنیا بھر میں وطنِ عزیز کا image بھی خراب ہوا۔ صرف پاکستان ہی میں ہمیں کسی غیر مسلم ملک کے خلاف نہیں بلکہ اپنے ہی ملک کے خلاف جہاد کا اعلان کرتی ہوئی اسلام کے نام پر مذہبی تنظیمیں نظر آتی ہیں۔ اس کی زندہ مثال صوبہ سرحد میں ملتی ہے، جہاں پہلے علاقہ غیر میں اور اب سوات، دیر اور دیگر علاقوں میں جاری لڑائیوں کی وجہ سے امن و امان کی صورتحال خراب ہوئی وہیں ملک کی معیشت بھی تباہ ہو رہی ہے۔ اگر ہم صرف سوات ہی کی صورت حال دیکھیں تو ہمیں غیر مسلموں کے خوف کی ہلکی سی جھلک نظر آئے گی۔ جہاں ڈاڑھی مُنڈوانے پر کوڑوں کی سزا، حجاموں کی دوکانوں کو بموں سے اُڑانا، سی ڈی کی دوکانوں کو بموں سے اُڑانا، لڑکیوں کے بے شمار سکولوں کو تباہ کرنا شامل ہے۔ اصل میں غیر مسلموں کو خوف حقیقی اسلام سے نہیں ہے بلکہ اسلام کے نام پر انسانی خواہشات کو حقیقت کا روپ دھارنے پر ہے۔ جس کی چند مثالیں اوپر دی گئیں ہیں، جن سے نہ صرف پاکستان میں غیر مسلم بلکہ مسلمان خود بھی خوف کا شکار ہیں۔

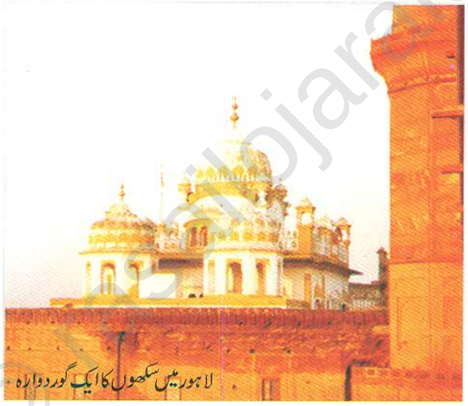
لاہور میں سکھوں کا ایک گوردوارہ

موجودہ صورت حال میں ہم کئی ایک ایسی مثالیں دیکھ سکتے ہیں جن سے غیر مسلموں کا اسلامی شریعت کے نفاذ سے خدشات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس تجزیہ کے لئے ہم ماضی میں سے دو واقعات دیکھیں گے، جو اصل میں غیر مسلموں کے خوف کو سمجھنے میں خاصی مدد دیں گے۔ پہلا واقعہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا ہے۔ جس میں روایت کے مطابق حضرت عمر بن خطاب اور ایک بشپ کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا جس کی شرائط درج ذیل ہیں:

- ہم (مسیحی) اپنے شہروں اور ان کے گرد و نواح میں نئی خانقاہیں، گرجا گھر، کانونٹ یا راہبوں کے گھر تعمیر نہیں کریں گے۔ اور نہ دن میں نہ رات میں ان عمارتوں کی مرمت کریں گے جو کھنڈرات ہیں یا مسلمانوں کی جگہ میں موجود ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

- ہم راہ گیروں اور مسافروں کے لئے اپنے گھر بالکل کھلے رکھیں گے۔ ہم ان تمام مسلمانوں کے لئے 3 دن قیام و طعام کا بندوبست کریں گے جو ہمارے گھروں کے پاس سے گزریں گے۔
- ہم کسی جاسوس کو اپنے گرجا گھروں یا رہائش گاہوں میں پناہ نہیں دیں گے اور نہ ہی اُنہیں مسلمانوں سے چھپائیں گے۔
- ہم اپنے بچوں کو قرآن نہیں پڑھائیں گے۔
- ہم کھلے عام اپنے مذہب کا اظہار نہیں کریں گے۔ اور نہ کسی کو اپنے مذہب میں شامل کریں گے۔ ہم اپنے کسی عزیز کو اسلام قبول کرنے سے منع نہیں کریں گے۔
- ہم مسلمانوں کو احترام کی نظر سے دیکھیں گے۔ اور اپنی کرسیاں اُن کے لئے چھوڑ دیں گے۔ اگر وہ بیٹھنے کی خواہش کریں۔
- ہم مسلمانوں طرح نظر آنے کی کوشش نہیں کریں گے اور نہ ہی ان کی طرح کے کپڑے، پگڑی اور جوتے پہنیں گے اور نہ ہی اُن کی طرح کے بال بنائیں گے۔
- ہم ان کی نقل نہیں کریں گے اور نہ ہی اُن کی کنیت اختیار کریں گے۔
- ہم اپنے گھوڑوں کی کاٹھیاں منقش نہیں کریں گے اور نہ ہی کوئی ہتھیار رکھیں گے اور نہ اُنہیں اپنے جسم پر سجائیں گے۔
- ہم اپنی مہروں پر عربی عبارت کندہ نہیں کریں گے۔
- ہم نشہ آور مشروب فروخت نہیں کریں گے۔
- ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے، ہمیشہ ایک ہی طرز کا لباس پہنیں گے اور ہمیشہ اپنی کمروں میں زنار باندھیں گے۔
- ہم اپنی صلیبوں کی نمود نہیں کریں گے اور نہ ہی مسلمانوں کی سڑکوں پر اپنی مذہبی کتابوں کی نمائش کریں گے۔ ہم اپنے گرجا گھروں میں گھنٹیوں کی آواز نہایت مدہم رکھیں گے اور ہم مسلمانوں کی موجودگی میں گرجا گھروں اپنی عبادت کی آوازیں بلند نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی اپنے جنازوں کے وقت اونچی آوازیں نکالیں گے۔ اہم مسلمانوں کی سڑکوں اور مارکیٹوں پر کسی طرح کا چراغاں نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے قبرستانوں کے قریب اپنے مردے دفن نہیں کریں گے۔
- اور ہم مسلمانوں کے گھروں سے بلند گھر تعمیر نہیں کریں گے۔

یہ واقعہ یروشلم کی فتح کا ہے اور جب یروشلم کو فتح کیا گیا تو مسلمان فاتحین اور مسیحی مفتوح تھے اور یہ معاہدہ مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان طے پایا۔ جن میں یروشلم کے رہنے والے مسیحیوں اور دیگر غیر مسلموں کو ذمی قرار دیا گیا اور اُن سے جزیہ وصول کیا گیا کہ مسلمان، ذمیوں کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں گے اور ساتھ ہی یہ عہد بھی کیا گیا کہ اُن سے فوجی خدمات نہ لی جائیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اُن دنوں جنگوں میں عام فوجیوں کی زندگی کو زیادہ خطرات لاحق ہوتے تھے اور جنگ میں وہی زیادہ تعداد میں مارے جاتے تھے۔ ★

دوسرا واقعہ میثاق مدینہ کا ہے، جس میں ہم براہ راست حضرت محمدؐ کی اخلاقیات کا مظاہرہ دیکھ سکتے ہیں جو آپؐ نے تمام جہانوں کے لئے ایک روشن مثال بنا کر پیش کیا۔ میثاق مدینہ کے اہم مندرجات درج ذیل ہیں۔

(ابن ہشام کے مطابق یہ تحریری معاہدے یثرب کے مندرجہ ذیل گروہوں کے درمیان کیا جاتا ہے۔

1۔ محمد رسول اللہ ﷺ	2۔ مہاجرین مکہ
3۔ مسلمانان یثرب	4۔ یثرب کے یہودی
5۔ یثرب کے عیسائی	6۔ یثرب کے بت پرست

معاہدہ کی اہم دفعات

- معاہدے کے تمام قبائل اور اقوام کے ایک سیاسی وحدت قرار دیا گیا تھا۔
- معاہدہ میں شامل تمام فریقوں، یہاں تک کہ یہودیوں کو بھی مساوی حقوق

★ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا گیا، اس کا اعتراف اہل تاریخ نے فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے "الفاروق" میں اس موضوع پر ایک باب باندھا اور ان معاہدوں کی تفصیلات بیان کی ہیں جو مفتوح علاقوں کے غیر مسلم مکینوں کے ساتھ کیے گئے۔ مثال کے طور پر بیت المقدس کا معاہدہ حضرت عمرؓ کی وجودگی میں ہوا جس میں عیسائیوں کے بارے میں کہا گیا "یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح کہ ان کے گرجا گھروں میں نہ سکونت کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے اور نہ ان کے صلیبوں اور مال میں کوئی کمی کی جائے گی۔۔۔" حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو حضرت عمرؓ بدلے میں مسلمان کو قتل کر دیتے۔ امام شافعی کی روایت ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے چنانچہ اسے مقتول کے وارث حنین کو دے دیا گیا جس نے اسے قتل کر دیا۔
جہاں تک لباس وغیرہ کے معاملے میں امتیاز کا تعلق ہے تو اس ضمن میں میں مولانا شبلی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اس سے منع کرتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کریں۔ انہوں نے ذمیوں کو جس لباس کا پابند بنایا، وہی ان کا قدیمی لباس تھا۔ حضرت عمرؓ نے بطور تحقیر کوئی نیا لباس تجویز نہیں کیا۔" کنز العمال" کے حوالے سے مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ معاہدے میں ذمیوں کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ ہم فلاں فلاں لباس نہیں پہنیں گے، وہی لباس پہنیں گے جو قدیم سے پہنتے آئے ہیں۔ اس طرح زنار بھی ایک پٹی ہے جو قدیم سے اہلِ عجم لگاتے تھے۔ حضرت عمر نے عیسائیوں کو صلیب نکالنے سے کبھی نہیں روکا، صرف یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کی مجلس میں نہ نکالیں۔ اسی طرح ذمی ہر وقت ناقوس بجا سکتے تھے، صرف یہ قید تھی کہ نماز کے اوقات میں نہیں۔ سور کے بارے میں بھی یہ ہدایت تھی کہ اسے مسلمانوں کے احاطے میں نہیں لا سکتے۔ آج سے چودہ برس پہلے کے معاشروں میں دیکھیے تو اس طرح کے کثیر المدنی (pluralist) معاشرے کی مثال تلاش کرنا شاید آسان نہ ہو۔ (مہمان مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہوں گے۔ معاہدہ میں شامل فریقوں کے جن دوسرے قبائل کے ساتھ برادرانہ تعلقات ہیں، اُن کواُن ہی کی طرح حقوق حاصل ہوں گے۔

- مدینہ کوبھی حرم کا درجہ دیا گیا یعنی اسے امن کا گھر قرار دیا گیااور اس میں فساد وخونریزی ممنوع قرار پائی۔
- ہر قبیلہ اپنے اپنے علاقہ میں امن وامان برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہوگا۔
- اگر کوئی شخص مدینہ کے کسی آدمی کی پناہ میں آجائے تو اُسے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو پناہ دینے والے کے ہیں۔ البتہ کسی ایسے شخص کو پناہ نہیں دی جائے گی جوفتنہ پیدا کرنے والا یا ظالم ہو۔
- کسی شہری کے قتل پر قصاص لیا جائے گا تاہم اگر مقتول کے وارث خون بہا لینے پر آمادہ ہوں تو قاتل قتل ہونے سے بچ جائے گا لیکن اُسے یا اس کے وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہوگا۔ کسی بے کس کو فدیہ ودیت سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔
- مکہ سے آنے والے قریشی مسلمان اور انصار مدینہ کے قبائل خون بہا اور قیدیوں کو رہا کرانے کے لئے فدیہ کی ادائیگی کے لئے اپنے اپنے دستور کو پرعمل کریں گے۔
- جو شخص ظلم وزیادتی کرے گا یا ظلم وگناہ اور فساد کی راہ پر چلے گا تمام اہل تقویٰ اور اہل ایمان اس کے خلاف متحد ہو کر کھڑے ہوں گے خواہ ظالم اس میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔
- کسی شخص کے بُرے فعل کی ذمہ داری اسی پر ہوگی۔ اس کا حلیف یا کوئی رشتہ دار اس کے بُرے فعل کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔
- معاہدہ میں شامل کوئی فریق اگر حالتِ جنگ میں ہو تو اس کی مدد کے لئے تمام فریق باہم صلاح مشورہ کریں گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی و وفاداری برقرار رکھی جائے گی۔ اپنی اپنی جنگ کے مصارف ہر فریق خود اُٹھائے گا۔ یہود کی طرف سے صلح کی دعوت قبول کی جائے گی۔ البتہ اس شق کا اطلاق اس جنگ پر نہیں ہوگا جو خالص دین کی خاطر کی جارہی ہو۔
- مدینہ پر حملہ کی صورت میں یہودی اور مسلمان مل کر دفاع کریں گے۔ قریشی یا ان کے کسی معاون کو پناہ نہیں دی جائے گی۔
- اس معاہدہ میں شریک فریقوں کے درمیان اگر کوئی تنازعہ یا اختلاف پیدا ہو جائے یا کسی مسئلہ پر فتنہ وفساد پیدا ہونے کا خدشہ ہو تو اس کے فیصلے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (رفیق، محمد شیخ، تاریخ اسلام، سٹینڈرڈ بک سنٹر، لاہور، 2007، صفحات 68-69)

پاکستان میں موجود غیر مسلموں کو کبھی بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرنی پڑی اور نہ ہی غیر مسلموں نے کسی بھی حوالے سے اپنے آپ کو مسلم آبادی کے حوالے کیا۔ بلکہ ریکارڈ گواہ ہے کہ 1947ء سے بھی پہلے مسیحی عوام نے قیام پاکستان کی پذیرائی کی اور اس کی حمایت میں شانہ بشانہ جدوجہد کی۔ اور یہ وہ وقت تھا جب مذہبی گروہ قیام پاکستان کی مخالفت پر کمربستہ تھے اور قائداعظم کو بھی غیر مسلم قرار دیا کرتے تھے۔ اس مضمون کے آغاز میں دیئے گئے چند واقعات، اور ایسے کئی واقعات کی روشنی میں مسیحی اور دیگر غیر مسلم بلاشبہ پاکستان کے برابر کے شہری ہونے کے جائز دعویٰ دار ہیں۔ اوپر دیئے گئے دو تاریخی واقعات کی روشنی میں ہم واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ نفاذ شریعت کا طریقہ اور مقاصد حالات پر منحصر ہوتے ہیں۔ پہلے واقعہ میں ایک علاقہ کو فتح کرنے کے بعد فاتحین کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو تمام مردوں کو قتل کر کے علاقہ کو تہس نہس کر دیں لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اور اُن کو انتہائی سخت شرائط پر مسلمانوں نے اسلامی ریاست میں رہنے کی اجازت دی۔ دوسری طرف حضرت محمدؐ نے جب ایک ریاست کو اسلامی قرار دیا تو اُس میں پہلے سے موجود تمام مذاہب کے لوگوں کو اُس نئی اسلامی ریاست کے برابر کے شہری قرار دیا اور اُن کے تمام حقوق مسلم شہریوں کے برابر قرار دیئے گئے۔ بلکہ غیر مسلم ایسے ہی اسلام کی توقع کرتے ہیں جس میں سب کے حقوق برابر کے ہوں، بے شک آپ، پاکستان میں صدر پاکستان کے عہدے پر کسی غیر مسلم کو فائز نہ کریں لیکن اُس غیر مسلم کی تذلیل کے لئے مختلف حیلے بہانے بھی نہ تراشیں کہ آپ کا اور غیر مسلموں کا آپس میں اعتماد کا رشتہ بھی باقی نہ رہے۔ پاکستانی غیر مسلموں کے نزدیک، ایک طرف تو ایسے انتہا پسندی کے واقعات انہیں اسلامی نظام کی سختی سے ڈراتے ہیں لیکن دوسری طرف جب ہم حضرت محمدؐ کی شخصیت کو دیکھتے ہیں تو نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی انتہائی عقیدت واحترام سے سرِخم تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ میثاقِ مدینہ جسے غیر مسلم بڑی عقیدت سے دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ اگر اسلامی نظام میں ایسے ہی عدل اور برابری کی مثال قائم کی جائے گی پھر تو ٹھیک ہے کیونکہ حجتہ الوداع میں آپؐ کا فرمان پوری انسانیت کے لئے ایک اعلیٰ پیغام ہے:

لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ امتیاز صرف تقویٰ کی بنا پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آباؤاجداد پر فخر کو مٹا دیا ہے۔ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اس فرمان کو بلاشبہ تمام اسلامی امہ میں مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کی بہتر فضا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب ہمارے مسلمان بھائی حضور اکرمؐ کی اس دنیا میں آمد کو تمام انسانیت کی فلاح کا نام دیتے ہیں تو میرے خیال میں حجتہ الوداع میں کی گئی نصیحت بنی نوع انسان کے لئے ہے نہ کہ صرف مسلمانوں کے لئے۔ اس لئے اِن تعلیمات کو ہر کوئی اپنی فلاح کے لئے استعمال کر سکتا ہے جن میں بلاشبہ مسلمان بھی شامل ہیں اور یہ تعلیمات مسلمانوں کو نہ صرف دوسری اقوام بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا درس بھی دیتی ہیں۔ لہٰذا اسلامی شریعت کا مقصد یہ ہرگز نہیں لینا چاہیے کہ اس سے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے تسلط میں لیا جائے، بلکہ اسلامی شریعت کا مقصد روزِ اول سے ریاست کے تمام شہریوں کی فلاح و بہبود رہا ہے۔ دوسری بات کہ پاکستانی غیر مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی بھی طرح سے مفتوح نہیں ہیں بلکہ پاکستان میں بسنے کا فیصلے، اُن کی آزاد مرضی کے مطابق ہے۔ لہٰذا انہیں یروشلم کے مفتوح اقوام کی طرح نہیں بلکہ مدینہ میں پہلے سے موجود اقوام کی طرح برابری کی سطح پر پیش آنے چاہیے۔ اگر ہم پاکستان میں اسلامی شریعت کے نفاذ پر عمومی جائزہ لیں تو یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ شریعت کے نفاذ کے بعد سے ہمارے ذاتی کردار، سماجی رویوں یا معاشرتی چال چلن میں کوئی فرق پڑا ہے یا نہیں۔ لیکن ایک بات واضح ہے کہ 1977ء کے بعد سے ہمارے معاشرے میں مذہبی تعصب میں اضافہ اور مذہبی رواداری کافی حد تک ختم ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے پر اعتماد کی فضا آلودہ ہوئی ہے اور ہماری صدیوں پُرانی باہمی میل جول کی روایات دم توڑتی نظر آتی ہیں۔ نام نہاد اسلامی طرزِ حیات نے پاکستانی معاشرے میں گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ معاشرے میں اسلامی تعلیمات کی موجودگی کے باوجود فرقہ وارانہ روایات اور فتووں کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ اب اسلام کے نام پر مرنے والے بے شمار ہیں، جب کہ اسلامی طرزِ حیات پر عمل پیرا ہونے والوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے۔ غیر مسلموں کی اکثریت اسلام کو ایک روادار مذہب کے طور پر دیکھتی ہے۔ ایسا مذہب جس بانیؐ نے خود ایک یتیم کی حیثیت سے جنم لیا اور آخر تک مجبوروں، بے بسوں، لاوارثوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت سے پیش آتے رہے۔ اور آپؐ نے برملا فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے ہاتھوں کسی غیر مسلم سے زیادتی ہو، تو روزِ آخرت میں آپؐ اُس مظلوم کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ لیکن موجودہ صورتحال اس قول سے متصادم ہے۔ حرفِ آخر کے طور پر میں محترمہ پروفیسر ڈاکٹر رفعت حسن کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہوں گا جو کہ مذہبی اقلیتوں کے اسلامی شریعت کے حوالے سے خیالات اور خواہشات کی عکاسی کرتا ہے۔

امت کے لئے عربی لفظ "امہ" استعمال کیا جاتا ہے۔ عربی لفظ امہ کی جڑ "ام" ہے۔ ام کا مطلب ماں ہے اور 'آئیڈیل امہ' ایک آئیڈیل ماں کی طرح اپنی ساری اولاد کا خیال رکھتی ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ساری اولاد برابر نہیں ہے اور ہر کسی کی ضروریات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ (پروفیسر رفعت حسن، "ہیومن رائٹس اِن قرآن")

اس اقتباس سے میری مُراد، امید اور خواہش صرف اتنی سی ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ تمام مسیحی، ہندو اور دیگر غیر مسلم بھی پاکستان کے برابر کے شہری ہیں۔ ریاست کو اُن کی تمام ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے، اور غیر مسلموں کو بھی وہ تمام مراعات و مواقع حاصل ہونے چاہییں جو کسی بھی مسلم شہری کو ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنی سہولت اور فائدے کے لئے مذہب کی تفریق کریں گے تو آپ خود ہی غیر مسلم شہریوں کی صلاحیتوں سے وطنِ عزیز کو محروم کریں گے۔ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو پہلے ہی خواتین کو صنفِ نازک قرار دے کر اکثریت کو گھروں تک محدود کر چکے ہیں۔ اگر کسی ملک کی آدھی آبادی (خواتین) کی صلاحتیں محض معاشرتی پابندیوں کی وجہ سے ملک کی ترقی میں حصہ ڈالنے سے محروم ہے تو ایسا ملک مزید آبادی (غیر مسلموں) کی صلاحیتوں سے محرومی کو برداشت نہیں کر سکتا، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب ملک کی بقا کے لئے اپنے اپنے فروعی اختلافات بُھلا کر ملک کی ترقی کے لئے کام کریں تاکہ ہم بھی ایک دن ترقی یافتہ اقوام کی صف میں باعزت طریقہ سے شامل ہوسکیں۔

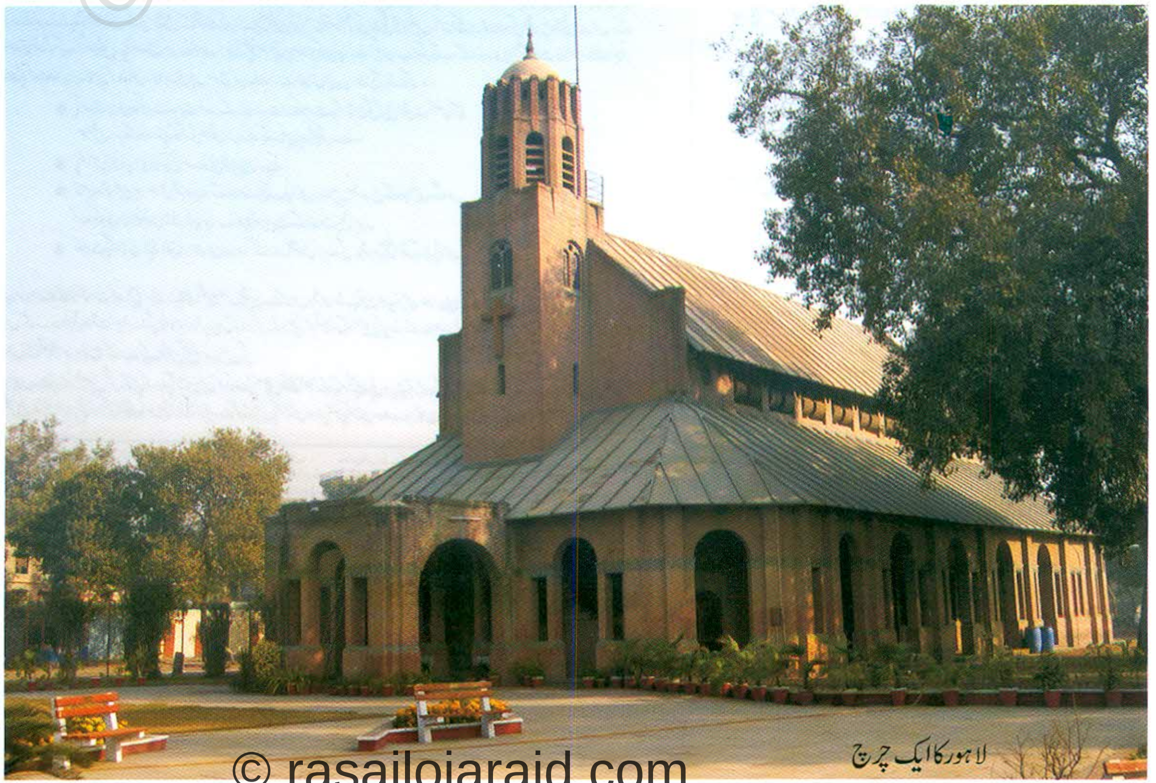
لاہور کا ایک چرچ

© rasailojaraid.com